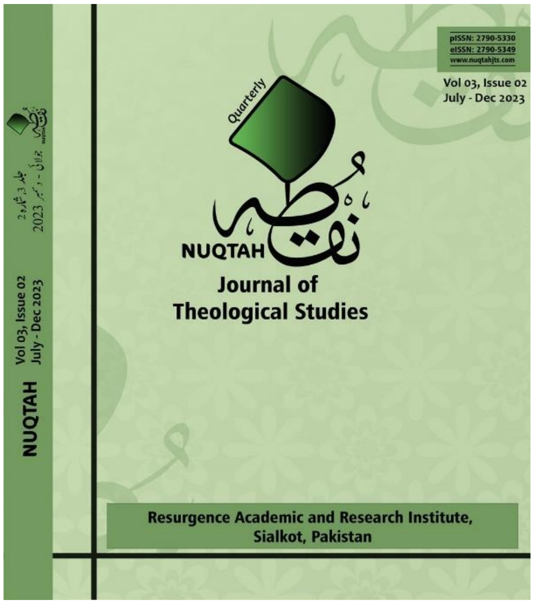

NUQTAH Journal of Theological Studies

Editor: Dr. Shumaila Majeed
(Bi-Annual)
Languages: Urdu, Arabic and English
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:

Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.

مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی تحریک آزادی کے تناظر میں شیخ الہند، مولانا محمود حسن کی سیاسی خدمات کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Political Services of Sheikh-al-Hind, Maulana Mahmood Hasan in the Context of the Independence Movement of the Muslims of the Indian Sub-Continent

Dr. Habib Ur Rehman,
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
Federal Urdu University of Arts, Science & Technology, Islamabad.
Email: dr.habiburrehman@fuuast.edu.pk

Published online: 30th Dec 2023

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:

https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

مسلمانانِ برصغیر پاک وہند کی تحریک آزادی کے تناظر میں شیخ الہند، مولانا محمود حسن کی سیاسی خدمات کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Political Services of Sheikh-al-Hind, Maulana Mahmood Hasan in the Context of the Independence Movement of the Muslims of the Indian Sub-Continent

ABSTRACT

The history of the Muslim nation bears witnesses to the fact that Muslims in every region throughout the ages have continued their efforts to uplift Islam in one way or another, using various strategies. This passion is the ultimate reason for the survival of Muslims. This article examines the resistance of men of letters for the integrity of Muslims in the British colonial era after the War of Independence of 1857. Shaykh-al-Hind, Mahmood Hassan is one such scholar who remained associated with the madrassa education system. He devised a comprehensive program to liberate Muslims from the tyranny of *Aghyar* (colonials), which reflects his deep wisdom and far-sightedness. Through his valor and native spirit, he maintained the essence of *Hurriyat* (resilient) in the people of the subcontinent, subsequent decades witnessed the results of his efforts.

This research endeavors to discuss the context and consequences of Mahmood Hassan's political struggle that yielded a movement known as *Raishmi Roomal* (Silk Handkerchief). This study utilizes Logical and Deductive methods for analysis and interpretation. This article highlights the fact that varying requirements in changing times and maintaining resistance, suit the integrity of a Muslim individual so that the pursuit of truth stays in practice.

Keywords: Raishmi Roomal, Shaikh al-Hind, Subcontinent, Colonialism

مسلم قوم کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر خطے کے مسلمانوں نے مختلف حکمت عملیوں کا استعمال کرتے ہوئے کسی نہ کسی طرح

اسلام کی سربلندی کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھی ہیں۔ یہی جذبہ مسلمانوں کی بقا کا حتمی سبب ہے۔ یہ مضمون 1857 کی جنگ آزادی کے بعد برطانوی نوآبادیاتی دور میں مسلمانوں کی سالمیت کے لئے مزاحمت کا جائزہ لیتا ہے۔ شیخ الہند محمود حسن ایک ایسے عالم دین ہیں، جو مدارس کے نظام تعلیم سے وابستہ رہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو اغیار کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے ایک جامع پروگرام تیار کیا جو ان کی گہری دانشمندی اور دور اندیشی کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی بہادری اور جذبے کے ذریعے برصغیر کے عوام میں حریت کے جوہر کو برقرار رکھا اور بعد کی دہائیوں میں ان کی کوششوں کے نتائج دیکھے گئے۔

شیخ الہند، مولانا محمود حسن کو مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی جیسی شخصیتوں سے تربیت کا شرف حاصل تھا۔ ان حضرات نے ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف شاملی اور تھانہ بھون میں باقاعدہ جہاد کا آغاز کیا تھا اور ناکامی کے بعد بھی ان میں جذبہ جہاد اور جذبہ آزادی کبھی کم نہ ہوا تھا۔ اس لیے حضرت شیخ الہند میں، جو ان حضرات کے زیر تربیت رہے، انگریزی اقتدار کے خاتمہ کا جذبہ طبعی طور پر تھا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد اس کی تلافی کے لیے جو راہ عمل اپنے لیے متعین کی وہ مدارس کے قیام کی راہ تھی، جس کے ذریعے ایک طرف تو ترویج علم دین کا فریضہ انجام پاتا رہے اور ساتھ ساتھ مسلمانوں میں مذہبی، ملی اور حریتی جذبات کی بقا و احیاء کا کام بھی مقصود تھا تا کہ انقلابی مساعی کے ساتھ ساتھ عوام کی صحیح تربیت ہوتی رہے۔ اور جب بھی حالات سازگار ہوں وہ حصول آزادی کے لیے میدان عمل میں آئیں اور اپنی سعی و جدوجہد میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں قائم ہوا اور بعد میں سہارنپور اور دیگر مقامات پر مدارس اسلامیہ قائم ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند پہلے شاگرد بھی تھے اور پھر اسی دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے صدر مدرس بنے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خاص تلمیذ ہونے کی بنا پر آپ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ آپ سے اس ضمن میں دارالعلوم دیوبند کے مقتدر حضرات کی جانب سے مولانا مناظر احسن گیلانی نے دریافت کیا تو آپ نے کہا:

"جہاں تک میں جانتا ہوں کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی کے بعد یہ ادارہ قائم کیا گیا کہ کوئی ایسا مرکز قائم کیا جائے جس کے زیرِ اثر مسلمانوں کو تیار کیا جائے تا کہ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کی جائے"۔[1]

آپ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۳۳ھ تک تقریباً ۲۵ سال مسند صدارت پر فائز رہے۔[2] اس دوران ہزاروں شاگردوں نے آپ سے کسب علم کیا۔ آپ کے درس کا حال مولانا محمد میاں یوں بیان کرتے ہیں:

"آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم کے تلمیذ خاص اور ہم راز رفیق تھے، لہٰذا آپ تحریک دارالعلوم دیوبند کے اصلی منشاء سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ آپ کی تدریس خشک اور جامد زہد و تقویٰ کی تلقین نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ آپ کی تربیت نے ایسے حضرات کو پیدا کیا جو آسمان سیاست کے روشن ستارے مانے گئے"۔[3]

شیخ الہند کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کب ہوا؟ اس بارے میں کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ قرائن سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیاسی میدان میں مسلمانوں کے لیے کچھ کر گذرنے کی لگن انہیں مولانا نانوتوی سے حاصل ہوئی، چنانچہ فراغت تعلیم کے بعد جب کہ آپ کو دارالعلوم کی مسند تدریس پر ابھی پانچ سال ہوئے تھے کہ ۱۲۹۷ھ میں آپ نے دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی ایک جماعت بنائی جس کا نام "ثمرۃ التربیت" رکھا گیا۔ اس کا جماعت کا مقصد دارالعلوم کے مالی مفاد کے لیے فضلاء اور دارالعلوم کے ہمدرد حضرات سے رابطہ رکھنا تھا۔[4] مگر نام اور مقصد میں ہم آہنگی نہیں بنتی۔ کیا دارالعلوم دیوبند صرف اس لیے قائم کیا گیا کہ جو بھی یہاں تربیت پائے، اس کا ثمرہ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ مالیات کی مضبوطی ہو۔ اسی بنا پر مولانا محمد میاں کی اس بات کو ماننا پڑتا ہے کہ اس وقت جبکہ برطانوی سامراج جوان تھا اصل مقاصد کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا تھا۔[5] کہا جا سکتا ہے کہ ثمرۃ التربیت دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد کو آگے بڑھانے کی ایک عملی جدوجہد تھی کہ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے اپنے اپنے حلقہ میں جہاں قرآن و حدیث کی تعلیم کو ترویج دیں وہاں ہندوستان سے غیر ملکی استعمار کو بے دخل کرنے کے لیے جذبہ جہاد کو زندہ کریں۔ علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کو مرکز تسلیم کر کے باہمی رابطہ استوار رکھا جائے۔

اُس دور میں ہمارے دور کی طرز پر تحریکوں یا انجمنوں نہ تھی، بس چند افراد ایک مقصد متعین کر کے کام شروع کر دیتے تھے، چنانچہ دیوبند سے متعلقین نے بھی اپنا کام شروع کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ۳۰ سال میں دار العلوم دیوبند کی تاریخ میں ثمرۃ التربیت کا نام تک نہیں ملتا۔ اب اس پر یہ سمجھ لینا کہ شیخ الہند جو کہ ۱۳۰۵ھ میں دار العلوم کے صدر مدرس ہو گئے تھے، نے اپنی سیاسی وجہادی کوششوں کو بالکل ترک کر دیا تھا، بالکل غلط ہو گا۔ محققین مؤرخین اس بات کی نفی کرتے ہیں۔ غلام رسول مہر کا بیان ہے:

> ''میرے مطالعے اور غور وفکر کا نچوڑ یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند اپنی عملی زندگی کے آغاز ہی میں ایک نقشہ عمل تیار کر چکے تھے اور اسے لباس عمل پہنانے کی کوششیں انہوں نے اس وقت سے شروع کر دیں تھیں جب ہندوستان کے اندر سیاسی سرگرمیاں محض برائے نام تھیں، ملک کے حالات کسی تیز تحریک کے لیے ہرگز سازگار نہ تھے، مسلمانوں پر حیرانی اور افسردگی طاری تھی۔ وہ ثریا سے تحت الثری میں جا گرے تھے اور کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنی کھوئی ہوئی حیثیت حاصل کرنے کے لیے کون سا راستہ اختیار کریں اور کس طریق عمل پر گامزن ہوں۔ ایسے اصحاب بہت کم نظر آتے تھے جن کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکے اور جو پیش نظر مقاصد کے لیے بے تکلف ہر قسم کی قربانیوں پر آمادہ ہوں۔ پھر حضرت شیخ الہند کے سامنے ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ دار العلوم دیوبند کو حکومت کا ہدف بننے سے حتی الامکان محفوظ رکھیں۔ میرا اندازے کے مطابق انہوں نے یہ طے کیا تھا کہ جن جن اصحاب میں عملی صلاحیت پائیں انہیں جا بہ جا خصوصاً یاغستان[6] کے مختلف حصوں میں دینی اور اسلامی درسگاہیں قائم کرنے کی ترغیب دی........ میرے نزدیک مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی بانیان دار العلوم کا اصل مقصد و نصب العین بھی وہی تھا جس کے لیے کارفرمایان دیوبند میں سے صرف حضرت شیخ الہند سرگرم عمل ہوئے۔ اس طریقے اور شیوے کے مطابق جلد حسبِ مراد نتیجے برآمد ہونے کی توقع نہ رکھی جا سکتی

تھی تاہم ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ انقلابی مساعی کے ساتھ ساتھ عوام کی صحیح تربیت کا کام بھی انجام پاتا جاتا ....الخ"[7]

ڈاکٹر تاراچند اپنی کتاب History Of Freedom Movement in India میں بھی یہ بات درج کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند نے اپنی زندگی کے اوائل میں ہی اپنے لیے ایک مشن مقرر کر لیا تھا اور آخر تک اسی پر کاربند رہے۔[8]

حضرت شیخ الہند کی باقاعدہ سیاسی سرگرمیوں کا آغاز تاریخی شواہد کی روشنی میں ۱۹۰۵ء کے بعد ہوتا ہے۔[9] جب طرابلس اور بلقان کی ترک ریاستوں کو یورپیوں نے ہتھیانا شروع کیا۔اس سے قبل شیخ الہند کا لائحہ عمل تاریخ کا حصہ نہیں بن سکا۔ غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس دور میں تعلیمِ دین و تربیتِ عوام کے فریضہ سے متعلق رہے علاوہ ازیں سرحدی علاقے کے مجاہدین کے ساتھ تعاونِ مال وزر کے سلسلے سے متعلق رہے۔[10]

شیخ الہند اپنے تلامذہ اور حلقہ احباب کی صلاحیتوں اور استقامت کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور پھر جس کو اپنے کام کے لیے موزوں خیال کرتے اسے اپنے ساتھ ملا لیتے۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل افراد اور دیگر علماء کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے لیے ۱۳۲۷ھ بمطابق ۱۹۰۹ء میں جمعیۃالانصار قائم کی جس کی ذمہ داری مولانا عبیداللہ سندھی کو سونپی۔[11]

بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے سیاسی حالات پر نظر کی جائے تو صورت حال بہت گھمبیر معلوم ہوتی ہے۔ سیاسی جماعتیں مثل کانگرس اور مسلم لیگ وغیرہ صرف حقوق طلبی کی راہ پر گامزن تھیں۔ تقسیم بنگال اور دیگر حکومتی امور سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ حکومت ہندوستان کو اپنے قبضہ میں رکھنے کے لیے عوام میں نااتفاقی کی فضا پیدا کر رہی ہے۔ ان حالات میں دینی و سیاسی تعلیم و تربیت کے عمل کو صرف مدارس اسلامیہ تک محدود رکھنا خلاف عقل و خلاف مصلحت تھا۔ چنانچہ جدید سکول و کالج سے تعلیم یافتہ افراد کو بھی احساسِ غلامی اور جذبہ جہاد سے روشناس کروانا، حضرت شیخ الہند نے ضروری خیال کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر دہلی میں ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف کا ادارہ قائم کیا گیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی تعلیم سے نوجوانانِ اسلام کے عقائد و خیالات میں جو بے دینی اور الحاد کے جراثیم پیدا ہو رہے ہیں، ان کو ختم کیا جائے اور قرآن کی تعلیم اس طرح دی جائے کہ ان کے شکوک و شبہات دین

اسلام کے بارے میں دور ہو جائیں تا کہ وہ سچے اور پکے مسلمان ہو جائیں۔[12]

نظارۃ المعارف کی یہ انجمن بھی مولانا عبید اللہ سندھی کے زیر اہتمام قائم ہوئی، جو اس وقت حضرت شیخ الہند کے حکم سے ہی دہلی منتقل ہوئے تھے، وہاں پر حضرت شیخ الہند نے دیگر سیاسی راہنماؤں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم اجمل خان وغیرہ سے ان کا تعارف بھی کروایا۔[13]

قوی امید تھی کہ شیخ الہند اپنے اسی متعین کردہ راہِ عمل پر قائم رہتے جو کہ بے شک طویل المدت تھا مگر کامیابی کے امکانات بھی اسی قدر زیادہ تھے، مگر جنگ طرابلس اور جنگ بلقان کے چھڑ جانے سے جو یورپی مملکتوں کے عزائم اسلامی خلافت ترکی کے بارے میں ظاہر ہوئے کہ وہ ہر قیمت پر اسلامی خلافت کو ختم کرنے کے درپے ہوئے ہیں، تو ان حالات نے آپ کو بے چین کر دیا۔[14] اب آپ نے یہ طے کیا کہ اب فوری طور پر کچھ کر گزرنا چاہیے لہذا آپ نے ہندوستان میں سے انگریزوں کو نکالنے کے لیے وسیع پروگرام تشکیل دیا۔ آپ کا پروگرام یہ تھا کہ بیرونِ ہند سے ہندوستان پر بڑا حملہ کروایا جائے اور اندرونِ ہند مختلف مقامات سے بغاوت کھڑی کر دی جائے اور یہ تمام کام اس قدر منظم طور پر کیا جائے کہ انگریزوں کے لیے پورے ہندوستان میں کوئی جائے سکونت باقی نہ رہے ۔اس سلسلے میں ہندوؤں اور سکھوں کو بھی تحریک آزادی میں شامل کیا گیا تھا۔ دیوبند میں ایک مستقل مکان ان حضرات کے قیام کے لیے کرایہ پر لیا گیا تھا جہاں غیر مسلم لیڈر حضرات خفیہ طور پر شیخ الہند سے مشورہ کے بعد پروگرام طے کرتے تھے۔ ان حضرات کے بارے میں کوئی تفصیل میسر نہیں کیونکہ شیخ الہند کے خادم خاص مولانا جلیل کیرانوی نے وہ تمام خطوط حضرت کے اسیر ہونے کی خبر ملتے ہی از راہ احتیاط جلا دیئے تھے۔[15] اندرون ہندوستان میں شیخ الہند کی اس تحریک کے بہت سے مراکز قائم کیے گئے تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی ان میں سے صرف پانچ مراکز کا تذکرہ کرتے ہیں: دین پور شریف، امروٹ، کراچی کھڈہ، دہلی اور چکوال۔ احتمال یہ کہ اس کے علاوہ بھی دیگر کئی مقامات کو مرکز بنایا گیا ہو گا تا کہ پورا ہندوستان ایک ہی مرتبہ یکبارگی اٹھ کھڑا ہو مگر اس ضمن میں تفصیل میسر نہیں۔[16]

بیرون ہند اولاً مرکز یاغستان ہی کو بنایا گیا۔ اس علاقے میں شیخ الہند نے کئی افراد کو بھیجا تا کہ یہاں کے معزز لوگوں کو جہاد کے

لیے کمر بستہ کیا جائے۔ یہ طے پایا کہ اولاً ان علاقوں کے باشندوں کے آپس کے قدیم تنازعات اور قبائلی دشمنیوں کو ختم کیا جائے۔ یہ کام دارالعلوم سے فارغ التحصیل افراد جن کا تعلق یاغستان سے تھا، لیا گیا۔ دوم جماعتِ مجاہدین اور قبائل کے درمیان جو غلط فہمیاں انگریزی ڈپلومیسی کی وجہ سے تھیں انہیں ختم کیا جائے۔ شیخ الہند کے معتقد اور شاگرد حضرات نے اس علاقہ میں گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ پھر کر جہاد کے لیے راہ ہموار کی اور بہت حد تک کامیابی بھی حاصل کر لی۔[17]

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول کا آغاز ہوا، جس میں برطانیہ اور اس کے اتحادی، جرمنوں اور ترکوں کے خلاف برسرپیکار ہوئے۔ اس موقع پر شیخ الہند نے یہ طے کیا کہ برطانیہ کے لیے زیادہ سے زیادہ مشکلات پیدا کی جائیں تاکہ وہ ہندوستان سے زیادہ فوجی ترکوں کے خلاف محاذ پر نہ لے جا سکے۔ چنانچہ شیخ الہند کی استدعا پر حاجی ترنگ زئی جو کہ ان کے خاص دوستوں میں سے تھے، یاغستان تشریف لائے تو وہاں سے کاروائیوں کے آغاز کیا گیا مگر بعد میں وہاں سے تقاضا ہوا کہ جب تک کوئی حکومت پشت پناہ نہ ہو، خاطر خواہ نتائج کی توقع نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے آپ نے عبیداللہ سندھی کو کابل جانے کے لیے کہا اور خود حجاز کا سفر کیا تاکہ وہاں ترکوں کے اعلیٰ افسروں سے رابطہ کر کے یاغستان کے مجاہدین کی مدد کے لیے کوئی صورت پیدا کی جائے۔[18]

مولانا عبیداللہ سندھی ۱۹۱۵ء میں ہندوستان سے افغانستان کے لیے روانہ ہوئے۔ بہت جلد انہوں نے وہاں صاحبِ اقتدار طبقہ سے راہ و رسم پیدا کر لیے۔ وہاں جرمن اور ترک وفود سے انہوں نے ملاقاتیں کی۔ اور وہ شیخ الہند کی مشاورت سے قائم کردہ ایک مؤقتہ حکومت ہند میں شامل ہوئے جس کے صدر ایک راجہ مہندر پرتاب تھے۔[19] اس مؤقتہ حکومت ہند کی جانب سے روس، ترکی اور جرمنی مشن روانہ کیے گئے، جس کا مقصد ہندوستان کی آزادی میں ہندوستانیوں کی مدد کے لیے ان حکومتوں کو آمادہ کرنا تھا۔[20] انہوں نے اپنی کوششوں سے افغانستان کے امراء کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ ہندوستان پر حملہ کر کے انگریزوں کے خلاف جنگ کی جائے، جیسے امیر افغانستان حبیب اللہ خان نے منظور نہ کیا۔[21] اگر امیر اس وقت افغانستان کے دیگر امراء کی رائے پر عمل کر لیتے تب بھی حسب مراد نتیجہ نکلنے کی توقع تھی۔

افغانستان سے مولانا عبیداللہ خطوط کے ذریعے ہندوستانی رفقاء سے رابطہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ریشمی کپڑے پر چند

تحریریں بطور رپورٹ لکھ کر حضرت شیخ الہند کو حجاز میں پہنچانے کے لیے شیخ عبدالرحیم سندھی کے ہاں ایک نو مسلم عبدالحق کے ہاتھ بھجوائیں جو کہ اس نے خان بہادر حق نواز خان تک پہنچادیں اور خان بہادر نے وہ تحریریں انگریز حکام تک پہنچادیں یوں تحریک کے کئی راز حکومت کو مل گئے جس کی بنیاد پر گرفتاریاں ہونا شروع ہوئیں۔[22] ان خطوط کے علاوہ دیگر بھی بہت سی تحریریں اور کاغذات بہت مرتبہ چوری ہوئے جن کی وجہ سے اس تحریک کا پورا نقشہ انگریزوں کے ہاتھ آیا اور اسی بنا پر بعد ازاں شیخ الہند حکومت برطانیہ کے عتاب کا نشانہ بنے۔

شیخ الہند نے مولانا عبیداللہ سندھی کو کابل روانہ کرنے کے بعد خود حجاز کا رخ کیا۔ وہ جنگ عظیم کا زمانہ تھا جس بنا پر حکومت ذرا ذرا شک کی بنا پر احتیاطاً ہندوستان کے معتمد حضرات کو گرفتار کر رہی تھی۔ شیخ الہند کی گرفتاری طے ہو چکی تھی۔ اولاً اس گرفتاری کے آرڈر کا علم شیخ الہند کے رفیق کار ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو ہوا تو انہوں نے شیخ الہند کو بھی اس بارے میں اطلاع کر دی۔ وہ زمانہ چونکہ حج کا زمانہ تھا اس لیے آپ نے حجاز کا قصد کیا۔ جس سے ایک طرف تو وہ آزادی سے حجاز میں رہ کر تحریک کے امور کو کنٹرول کرتے اور دوسرا وہاں حکومت ترکیہ سے برطانیہ کے خلاف ہندوستان کی بغاوت کی تائید اور مجاہدین آزادی کے لیے امداد و اعانت کے حصول کے لیے کوشش کرتے۔ اس وقت مکہ مکرمہ کے گورنر غالب پاشا تھے۔ آپ نے تگ و دو کر کے ان سے ملاقات کی اور انہیں اپنا طے شدہ پروگرام بتایا جس کو غالب پاشا نے سراہا اور ہر قسم کی مدد پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے ہدایات دیں کہ تمام ہندوستانیوں کو کامل آزادی ہند پر آمادہ ہو جانا چاہیے اور اس مقصد کے لیے اپنی جدوجہد تیز کر دینا چاہیے۔ جنگ کے فریقین کے درمیان ابھی جب صلح کے لیے کانفرنس منعقد ہو گی تو اس میں تُرک آزادی ہند کی حمایت کریں گے۔ کیونکہ اس وقت تک ترک اور جرمن، اتحادیوں کو متعدد مقامات پر شکست دے چکے تھے۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ جلد ہی برطانیہ اور اس کے اتحادی دب کر صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔ برصغیر کے لوگوں کی حمایت سے متعلق شیخ الہند کے استدعا پر غالب پاشا نے تحریراً لکھ کر دیا جو شیخ الہند نے ہندوستان روانہ کر دیا کہ اس کی کاپیاں بنوا کر مختلف حلقوں میں تقسیم کی جائیں۔ یہی تحریر بعد میں غالب نامہ کے نام سے مشہور ہوئی۔[23] گورنر حجاز نے شیخ الہند کے لیے وزیر حربیہ ترکیہ انور پاشا سے ملاقات کا انتظام بھی کیا کہ گورنر مدینہ بصری پاشا کے لیے تحریر دی کہ جس میں حضرت

شیخ الہند پر اعتماد کرنے اور وزیر حربیہ ترکیہ سے ملاقات کے لیے استنبول کی روانگی کے لیے انتظامات کا کہا گیا تھا۔ چنانچہ جب شیخ الہند حج سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے اور پھر ابھی استنبول روانگی نہ ہوئی تھی کہ وزیر حربیہ ترکیہ انور پاشا اور وزیر بحریہ جمال پاشہ زیارت روضہ رسول کے لیے مدینہ تشریف لائے۔ چنانچہ وہاں ہی ان سے ملاقات ہوئی اور امداد واعانت کے وعدہ کے ساتھ فرامین و پیغامات تحریری طور پر حاصل کیے۔[24] یہ فرامین بعد میں ہندوستان تحریک کے تمام مرکزوں تک پہنچا دیئے گئے۔[25] اب یہاں کے کام سے فارغ ہو کر شیخ الہند یاغستان پہنچنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حکومت ترکیہ سے افغانستان پہنچانے کی استدعا کی گئی۔ جس پر انہوں نے معزوری ظاہر کی۔ اب آپ کا پروگرام بحری راستہ سے براستہ بلوچستان یاغستان پہنچنے کا تھا مگر شومئ قسمت کہ شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی اور آپ وہاں محصور ہو گئے بعد ازاں انگریزوں کے مطالبے پر آپ کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دیا گیا۔ گرفتاری کے بعد آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے تحریک کے متعلق کسی قرار واقعی امر کا اعتراف نہ کیا لیکن پھر بھی حکومت برطانیہ نے آپ کو مالٹا بھیج دیا، جہاں آپ اختتام جنگ تک قید رکھے گئے۔[26]

شیخ الہند کی یہ تحریک اگرچہ ناکام ثابت ہوئی اس کی ناکامی کے اسباب پر اگر بحث کی جائے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ جن امور خارجیہ سے شیخ الہند نے فائدہ اٹھانا تھا وہ جنگ عظیم اول میں ترکوں اور جرمنوں کی ناکامی کی وجہ سے یکسر معطل ہو گئے دوسرا کچھ راز افشاء ہو گئے۔[27] جس کی وجہ سے اندرون ہند تحریک کے معتمد علیہ حضرت کو گرفتار کر لیا گیا۔ اقبال حسن خان مقالہ نگار ''شیخ الہند مولانا محمود الحسن''، پی ایچ ڈی علی گڑھ یونیورسٹی نے اپنے مقالہ حضرت شیخ الہند پر یہ اعتراض کیے ہیں ان کی تحریک تمام کی تمام بے تکے اور ناممکن العمل منصوبوں پر مشتمل تھی۔ ترکی کسی صورت بھی ہندوستانیوں کے لیے اپنی افواج اتنی دور دراز سے ہند کے لیے روانہ نہ کر سکتا تھا جبکہ راستے میں روس کی فوجیں بھی حائل تھیں۔ علاوہ ازیں علمائے دین نے جب بھی کوئی آزادی کا منصوبہ بنایا تو آزاد علاقے کے قبائلیوں پر اعتماد کیا جن کی غداری اور غیر مستقل مزاجی کا اس سے قبل بار بار تجربہ ہو چکا تھا۔[28]

بادی النظر میں مقالہ نگار کے اعتراضات درست معلوم ہوتے ہیں لیکن محققین حضرات اس سے مکمل طور پر متفق نہیں۔ اگر ترکوں کو جنگ میں فتح ہوتی تو صلح کانفرنس میں وہ آزادیِ ہند کی شق انگریزوں سے منوا لیتے جس کا اقرار وہ شیخ الہند سے کر چکے تھے

کیونکہ اس دور میں یہ طریق رائج تھا کہ پہلے طاقت کے مظاہرے سے اگلے کو مغلوب کر دیا اور جب وہ صلح کے لیے راضی ہوا تو اپنی من پسند شرائط پر صلح کروالیں۔ جیسا کہ بعدازاں معاہدہ سیورے میں اتحادیوں نے ترکی کے ساتھ کیا۔[29]

دوسرا اعتراض قبائیلیوں کو اپنے منصوبے میں شامل کرنے والا ہے۔ تو اس ضمن میں قبائلی علاقے کی پوری تاریخ سے واقفیت ضروری ہے۔ سید احمد شہید اور ان کی جماعت کے ساتھ قبائیلیوں نے جو زیادتیاں کیں ان میں بیشتر حصہ ان کی جہالت اور تعصب کا ہے۔ قبائیلیوں میں اصلاحی پروگرام شروع ہوئے ہوئے کم از کم شیخ الہند کی تحریک کے وقت تک سو سال کا عرصہ بیت چکا تھا۔ علاوہ ازیں حکومت افغانیہ کی پشت پناہی بھی اس مرتبہ انہیں میسر کرنے کے پروگرام طے ہوا تھا تاکہ وہ اپنے پیچھے حکومتی امداد واعانت کی توقع رکھیں جو کہ اس سے قبل انہیں کبھی میسر نہ تھی۔ ان سب امور کی بجاآوری کے بعد اب قبائیلیوں سے ایسے کسی غیر مہذب اقدام کی توقع نہ تھی جو انہوں نے ماضی میں روا رکھے تھے۔ چنانچہ بعد کے نتائج اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس تحریک میں قبائیلیوں سے کوئی غیر مہذب فعل سرزد نہیں ہوا۔

رولٹ کمیٹی جو انگریزوں نے اس لیے بنائی تھی کہ وہ ایسی جماعتوں اور ان کے عمل و کردار کی تحقیق کر کے رپورٹ مرتب کرے جو حکومت برطانیہ کے خلاف کسی نہ کسی شکل میں سرگرم ہیں۔[30] اس نے اپنی رپورٹ میں اس تحریک کو ریشمی رومال کی تحریک کا نام دیا[31] اور اصل بانی تحریک مولانا عبیداللہ سندھی کو قرار دیا حالانکہ انہیں شیخ الہند نے انہیں اس کام میں لگایا تھا جیسا کہ ایک موقع پر انہوں نے خود فرمایا تھا کہ رولٹ کہتا ہے کہ عبیداللہ نے مجھے متاثر کیا حالانکہ وہ تو تعلیمی مشاغل میں لگا ہوا تھا، میں ہی اسے سیاسی معاملات میں کھینچ کر لے آیا۔[32] دوسرا حضرت مولانا سندھی کا اپنا قول بھی یہی ہے کہ وہ شیخ الہند کے حکم پر کابل گئے اور شیخ الہند کے مشوروں کے مطابق ہی عمل پیرا رہے۔[33]

شیخ الہند ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ بمطابق ۸ جون ۱۹۲۰ کو تین برس سات مہینے بعد مالٹا سے رہا ہو کر دہلی پہنچے۔ جہاز سے اترتے ہی وہ خلافت کمیٹی کے دفتر گئے۔ حالانکہ حکومت کی خواہش یہ تھی کہ شیخ اب سیاست سے کنارہ کش ہی رہیں۔[34] مگر آپ نے باوجود خرابی صحت کے اور کبر سنی کے جبکہ مرض الموت کا آغاز ہو چکا تھا۔[35] اپنے آپ کو تحریک خلافت میں ڈال دیا اور زندگی

کے آخری ایام تک پوری استقامت کے ساتھ تحریک آزادی میں حصہ لیتے رہے۔ شیخ الہند اگرچہ پہلے بھی ہندوستانی عوامی حلقوں میں کافی معروف تھے مگر اسارت کے بعد تو ان کی شہرت کو چار چاند لگ گئے۔[36] اور جب آپ نے تحریک خلافت میں حصہ لیا تو اس سے تحریک کو بہت فائدہ ہوا۔ تحریک خلافت کے عمائدین نے جب ترکِ موالات کی تحریک کے حق میں فتویٰ طلب کیا تو آپ نے مفصل فتوی تحریر کر کے ترک موالات کو ضروری قرار دیا۔ شیخ الہند کے اس فتوی کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ لوگوں نے اپنے سرکاری خطاب واپس کر دیئے، ولایتی سامان سے بائیکاٹ کر دیا۔

اسی زمانے میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے طلبہ نے جب کالج انتظامیہ سے ترکِ موالات کے ضمن میں انگریزی امداد وغیرہ کا بائیکاٹ کرنے کے لیے کہا لیکن کالج انتظامیہ نے اس مطالبے کو منظور نہ کیا تو پھر مولانا محمد علی اور ان کے ہم خیال لوگوں نے ایک ایسی ہی الگ درس گاہ قائم کرنے کا سوچا جس میں حکومت کا کسی قسم کا عمل دخل نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے شیخ الہند کے فتویٰ ترکِ موالات کی بنا پر مسلم نیشنل یونیورسٹی قائم کرنا چاہی۔ جو کہ بعد میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کے نام سے موسوم ہوئی۔ مسلم نیشنل یونیورسٹی کے قیام کے حق میں جب انتظامیہ نے جلسہ کرنا چاہا تو صدارت کے لیے شیخ الہند کو بلایا گیا۔ چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے حالانکہ صحت اجازت نہ دیتی تھی اور وہاں جامعہ ملیہ اسلامیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔[37]

بعد ازاں جمعیت علمائے ہند کا دوسرا سالانہ اجلاس بھی حضرت شیخ الہند کی صدارت میں ہوا۔ آپ کو پالکی پر لٹا کر جلسہ گاہ لایا گیا اور آپ کی طرف سے خطبہ صدارت مولانا عثمانی نے پڑھا۔[38]

شیخ الہند کا یہ خطبہ صدارت جمعیت علمائے ہند کے لیے شاہراہ عمل بنا۔[39] اس خطبہ میں آپ نے جو بنیادی امور بیان کیے وہ بقول مولانا سید محمد میاں یہ ہیں:

۱۔ اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے، جس سے ترکِ موالات فرض ہے۔

۲۔ تحفظ ملت اور تحفظ خلافت کے خالص اسلامی مطالبہ میں اگر برادران وطن ہمدردی اور اعانت کریں تو جائز اور مستحق شکریہ ہیں۔

۳۔ استخلاص وطن کے لیے برادران وطن سے اشتراک عمل جائز ہے مگر اس طرح کہ مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو۔

۴۔ اگر موجودہ زمانہ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز کا استعمال مدافعت اعداء کے لیے جائز ہو سکتا ہے تو مظاہروں اور قومی اتحادوں اور متفقہ مطالبوں کے جواز میں تامل نہ ہو گا۔ کیونکہ موجودہ زمانہ میں ایسے لوگوں کے لیے جن کے ہاتھ میں توپ، بندوق، ہوائی جہاز نہیں ہیں تو ان کے لیے یہی چیزیں ہتھیار ہیں۔[40]

شیخ الہند کا جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس سے صرف ایک ہفتہ بعد یعنی ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ بمطابق ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی میں انتقال ہو گیا۔ جنازہ دہلی سے دیوبند لایا گیا اور مولانا قاسم نانوتوی کے قرب میں آپ کو دفن کیا گیا۔[41]

شیخ الہند سیاسی میدان میں مثل سورج کے تھے۔ بڑے بڑے سیاسی لیڈر محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ گاندھی جی بھی آپ کی سیاسی بصیرت کے قائل تھا۔ آپ نے جن جن حکمرانوں سے ملاقات کی جیسے گورنر مکہ غالب پاشا، وزیر حربیہ ترکیہ انور پاشا اور انگریز حکمران، تمام کے تمام آپ کی قابلیت کے قائل تھے۔[42] یہی وجہ ہے کہ موافق قوتوں نے آپ سے اتفاق کرتے ہوئے آپ کے ساتھ شانہ بشانہ جدوجہد میں حصہ لیا اور مخالفین نے آپ کو خطرہ سمجھتے ہوئے آپ کو دبانے کی بھرپور کوشش کی۔

نتائج واثرات

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی مسلمانان ہند کے لئے قیامت خیز ثابت ہوئی تھی۔ اس جنگ کے بعد مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت مکمل طور پر انگریزی استعمار کے ہاتھ میں آگئی تھی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت جس زوال کا شکار ہوئی تھی، علماء نے اس زوال کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کی احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھی۔ سید احمد شہید کی تحریکِ قیامِ خلافت اسی سلسلہ کی ایک اور کڑی ثابت ہوئی لیکن جنگ آزادی کے بعد تو گویا صورت حال بالکل تبدیل ہو گئی۔ اب علماء اس بات کو سوچنے پر مجبور ہوئے کہ اولاً اشاعت علوم اسلامیہ کا عمل دوبارہ شروع کیا جائے اور اس مقصد کے لیے مدارس قائم کیے جائیں۔ اسی سلسلہ میں برصغیر کی عظیم علمی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا لیکن دارالعلوم

دیوبند کو خالصتاً تعلیمی ادارہ سمجھنا ایک غلطی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست دارالعلوم دیوبند اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے خود بنفس نفیس جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ لیکن چونکہ جنگ آزادی کے بعد احیائے علوم اسلامیہ کا عنصر مدارس کے قیام کے پس منظر میں غالب تھا۔ اس لیے علماء کی ایک جماعت یہ سمجھتی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو وقتی و جزوی جہادی تحریکوں کے لیے استعمال کرنا اور اس مقصد کے لیے اس کے نظام تعلیم کو معطل رکھنا اس کے مقاصد کے خلاف ہے۔

شیخ الہندؒ کی جدوجہد آزادی نے دارالعلوم دیوبند کے لیے واضح انداز میں یہ حدف مقرر کر دیا تھا کہ اس کا مقصد محض تعلیم ہی نہیں بلکہ جہاد اور حریت بھی ہے۔ چنانچہ آپ کی تحریک ریشمی رومال اور دیگر جہادی و سیاسی سرگرمیوں کا یہ غیر معمولی اثر ہوا کہ دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی تحریک سے بڑھ کر ایک نظریہ کی شکل میں سامنے آیا۔

چونکہ دارالعلوم دیوبند خطہ برصغیر میں علوم اسلامیہ کی تعلیم و ترویج کا سب سے بڑا مرکز بن کر ابھرا تھا لہٰذا جب اس مرکز کے لیے جہادی سرگرمیاں ایک واضح نصب العین کے طور پر سامنے آئیں تو اس وساطت سے عمومی طور پر علمائے امت کے اندر سیاسی شعور پیدا ہوا۔ انہیں یہ بات سمجھ میں آئی کہ کسی استعماری ریاست کے تحت تعلیمی سرگرمیوں ہی پر اکتفاء کر کے بیٹھ جانا کوئی مناسب بات نہیں۔ شیخ الہند کی تحریک نے ان کے اندر یہ شعور پیدا کیا کہ ممالک اسلامیہ کو استعمار سے آزاد کروانا ان کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے فاضلین بلکہ دیگر مکتبہ ہائے فکر کے علماء بھی اپنے فرض سے آگاہ ہوئے۔

شیخ الہند کی تحریک آزادی کا ایک واضح اثر یہ ہوا کہ مساعی جہاد کے سلسلہ میں علماء نے جزوی اختلاف کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عظیم الشان اتحاد اور تنظیم کا مظاہرہ کیا۔ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ آپ کی وفات کے بعد کسی بھی اجتماعی مسئلہ کے اندر علماء کا اتحاد آپ ہی کی تحریک کا اثر تھا۔ اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ آپ نے ہر مکتبہ فکر کے علماء سے اپنا رابطہ قائم رکھا۔

آپ کی تحریک نے علماء میں بالخصوص اور عوام میں بالعموم یہ تاثر پیدا کیا کہ جہاد عملی طور پر ہر دور میں جاری رہ سکتا ہے۔ خواہ

مسلمان کسی جابر و قاہر ریاست کے تحت ہی زندگی کیوں نہ گزار رہے ہوں۔ بالفاظ دیگر مسلمانوں میں یہ شعور اجاگر ہوا کہ دنیا کی امامت کی جو ذمہ داری اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے ذمہ لگائی ہے وہ ذمہ داری وقتی نہیں ہے بلکہ ابدی ہے اس بات کے کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ جمعیت علماء ہند اگر آپ کے نظریہ سیاست پر مکمل طور پر کاربند رہتی اور دوسری طرف دو قومی نظریہ کے حامی علماء آپ کی فکر کو صحیح طور پر سمجھ چکے ہوتے تو شاید آج صورت حال کچھ مختلف ہوتی۔

حاصل کلام:

آپ کی تحریک آزادی سے مسلمانوں میں احیائے خلافت کا جذبہ جا گزیں ہوا۔ علمائے امت یہ بات سوچنے پر مجبور ہوئے کہ حالات جتنے بھی دگرگوں کیوں نہ ہوں مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا مقصد احیائے خلافت ہی ہونا چاہیے۔ چونکہ مغرب کے جمہوری نظام کے بالمقابل مسلمانوں کا واحد سیاسی نظام خلافت ہی کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں بھی مغرب کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے کہ دنیا کے کسی خطہ ارضی پر خلافت قائم نہ ہو سکے۔ اس ضمن میں عمارت اسلامیہ افغانستان کی مثال دینا نہایت مناسب ہوگا۔ اس امارتِ اسلامیہ کے ذمہ داران بارہا اس بات کی صراحت کر چکے ہیں کہ ان کی جدوجہد خلافت سید احمد شہید اور شیخ الہند کی تحاریک آزادی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

شیخ الہند کی سیاسی خدمات نے ایک ایسے دور میں علمائے امت کے لیے جدوجہد آزادی کی مثال قائم کی جب جنگ آزادی میں ناکامی ان میں مایوسی پیدا کر چکی تھی اور وہ علوم اسلامیہ کی حفاظت اور اشاعت ہی کو اپنا مقصد بنا چکے تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی خدمات کے اندر تجدیدی واجتہادی عنصر پوشیدہ ہے۔

مصادر اور مراجع:

1۔ مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)، 226/2؛ مناظر احسن گیلانی، احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن (ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، س ن)، 170۔

Manāẓir Aḥsan Gilāni, Savaniḥ Qāsmī, (Lahore: Maktabah Rahmāniyah, ND), 2/226; Manāẓir Aḥsan Gilāni, Aḥātah Dārul ‘ulūm maiṉ beitay huay din, (Multān: Idārah Tālīfāt-e-Ashrafiyah, ND), 170.

2۔ سید محمد میاں، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے (کراچی: مکتبہ رشیدیہ، س ن)، ۱/۱۰۰۔

Syad Muhammad Miyān, ‘ulma’ai Haq kai Mujahidānah Karnāmay, (Karachi: Maktabah Rashidiah, ND), 1/100.

3۔ محولہ بالا۔

Ibidem.

4۔ سید محمد میاں، اسیران مالٹا (لاہور: مکتبہ محمودیہ، ۲۰۰۰ء)، ۲۳-۲۴۔

Syad Muhammad Miyān, Asīrān-e-Mālta, (Lahore, Maktabah Mahmudiah, 2000), 23-24.

5۔ ایضاً، ۲۴۔

Ibid, 24.

6۔ کوہستانی زبان میں یاغی "باغی" کو کہتے ہیں تو یاغستان کا مطلب ہوا "باغی لوگوں کی سرزمین"۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے اوائل میں ان علاقوں کو یاغستان کا کہا جاتا تو انگریزوں کے مخالفین مجاہدین کے زیر کنٹرول تھے۔ یہ علاقے سوات، دیر، ہزارہ اور کنڑ کے اضلاع پر مشتمل تھے۔

Nile Green, Afghanistan's Islam: From Conversion to the Taliban, (California: University of California Press, 2017) 130.

7۔ غلام رسول مہر، سرگزشت مجاہدین (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ۵۲۹-۵۳۱۔

Ghulām Rasūl Mahr, Sarguzasht Mujāhidīn (Lahore: Shaikh Ghulām Ali and sons, ND) 529-531.

8. Doctor Tarachand, History of Freedom Movement in India, (Lahore: Book Traders, 1972), 3/255.

9۔ حسین احمد مدنی، نقش حیات (کراچی: دارالاشاعت، س ن)، ۶۰۲/۲۔

Husain Ahmad Madni, Naqsh-e-Hayāt (Karāchi: Dar al-Isha‘at, ND), 2/602.

10۔ اس سلسلے میں کوئی ذکر ''سرگزشت مجاہدین'' میں حضرت شیخ الہند کا نہیں ملتا مگر مولانا مدنی کے ایک بیان سے اس طرف اشارہ ملتا ہے ملاحظہ ہو (مدنی، نقش حیات، ۶۰۶/۲)

11۔ عبیداللہ سندھی، ذاتی ڈائری (لاہور: مکی دارالکتب، ۱۹۹۵ء)، ۲۶۔

‘Ubaidullāh Sindhi, Zati Dā’iri (Lahore: Makki Dar al-Kutab, 1995), 26.

12۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن-ایک سیاسی مطالعہ، (کراچی: مجلس یادگار شیخ الاسلام، ۱۹۸۸ء)، ۲۷۔

Abū Salmān Shahjahān Pūrī, Shaikh al-Hind Maūlānā Maḥmūd Hasan - Aik Siyāsi Mutāliah, (Karāchi: Majlis Yadgār Shaikh al-Islam, 1988), 27.

13۔ سندھی، ذاتی ڈائری، ۲۶-۲۷۔

Sindhi, Zati Dā’iri, 26-27.

14۔ حسین احمد مدنی، سفر نامہ اسیر مالٹا (لاہور: عبداللہ اکادمی، س ن)، ۲۹۔

Husain Ahmad Madni, Safar Nāmah Asīr-i-Māltā (Lahore: Abdullāh Akādmi, ND), 29

15۔ مدنی، نقش حیات، ۶۲۷/۲-۶۲۸۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/627-628.

16۔ ایضاً، ۶۲۸/۲۔

Ibid, 2/628.

17۔ ایضاً، ۶۲۹/۲۔

Ibid, 2/629.

18۔ ایضاً، ۶۳۳/۲۔

Ibid, 2/633

19۔ سندھی، ذاتی ڈائری، ۸۶-۸۷۔

Sindhi, Zati Dā’iri, 86-87.

20۔تاراچند، مسلم افکار سیاست، مترجم ومرتب: ابو سلمان شاہ جہاں پوری (لاہور: مکی دار الکتب، ۲۰۰۲ء)، ۱۹۸۔

Tārā Chand, Muslim Afkār-e-Siyāsat, Trans. Abū Salmān Shahjahān Pūrī, (Lahore: Makki Dar al-Kutab, 2002), 198.

21۔اس بارے میں شواہد حتمی طور پر ملتے ہیں کہ امیر حبیب اللہ خان انگریزوں سے بہت سارو پیہ لے کر ان کا طرف دار رہا تھا، یہاں تک امراء افغانستان اس کے خلاف ہوئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

تاراچند، مسلم افکار سیاست، ۱۹۸؛ سندھی، ذاتی ڈائری، ۱۲۵۔

Tārā Chand, Muslim Afkār-e-Siyāsat, 198; Sindhi, Zati Dā'iri, 125.

22۔مدنی، نقش حیات، ۲/۵۹۹۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/599.

23۔سید میاں، اسیران مالٹا، ۵۹۔

Syed Miyān, Asīrān-e-Mālta, 59.

24۔محولہ بالا۔

Ibidem.

25۔انگریزی حکومت ان دنوں حجاز سے آنے والوں کی سخت تفتیش کرتی تھی مگر پھر بھی تحریریں بحفاظت تمام مراکز تک پہنچ گئیں۔ ملاحظہ ہو: مدنی، نقش حیات، ۶۴۳-۶۴۷۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/643-647.

26۔ایضاً، ۲/۶۵۲-۶۵۴۔

Ibid, 2/652-654.

27۔ایضاً، ۲/۶۴۹-۶۵۱۔

Ibid, 2/649-651.

28۔شاہجہاں پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن-ایک سیاسی مطالعہ، ۷۳-۷۶۔

Shahjahān Pūrī, Shaikh al-Hind Maūlānā Maḥmūd Hasan- Aik Siyāsi Mutāliah, 73-76.

29۔ثروت صولت، ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۲۰۱۴)، ۲/۴۷۸۔

Tharvat Ṣaūlat, Millat-e-Islāmiyah ki Mukhtaṣar Tarīkh (Lahore: Islāmic Publications Limited, 2014) 2/478.

30۔محمد میاں، اسیران مالٹا، ۳۴-۳۵۔

Muhammad Miyān, Asīrān-e-Mālta, 34-35

31۔رولٹ رپورٹ میں شیخ الہند کی تحریک کے ضمن میں جو واقعات اور رپورٹیں درج ہیں اس کے لیے ملاحظہ ہو:

سید محمد میاں، تحریک شیخ الہند (لاہور: نگارشات، ۱۹۹۱ء)، ۱۱۳تا آخر۔

Syed Muhammad Miyān, Taḥrīk Shaikh al-Hind, (Lahore: Nigārishāt, 1991), 113-end.

32۔مدنی، نقش حیات، ۲/۵۵۶۔۵۵۷۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/556-557.

33۔سندھی، ذاتی ڈائری، ۶۲۔

Sindhi, Zati Dā'iri, 62

34۔مدنی، نقش حیات، ۲/۶۵۶۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/656.

35۔محمد میاں، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، ۱/۲۱۲-۲۱۳؛ مدنی، نقش حیات، ۶۶۹-۶۷۰۔

Muhammad Miyān, ‘ulma’ai Haq kai Mujahidānah Karnāmai, 1/212-213; Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/669-670.

36۔ میاں سید اصغر حسین، حیات شیخ الہند (لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۷۷)، ۱۵۷-۱۶۲۔

Miyān Aṣghar Ḥusain, Ḥayāt Shaikh al-Hind (Lahore: Idārah Islāmiyat, 1977), 157-162.

37۔ مدنی، نقش حیات، ۶۷۶/۲۔

Madni, Naqsh-e-Hayāt, 2/676.

38۔ ایضاً، ۶۷۹/۲۔

Ibid, 2/679.

39۔ شیخ الہند کے خطبات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: شاہ جہاں پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن-ایک سیاسی مطالعہ، ۱۳۴-۱۶۰؛ منظور احمد (مرتب)، خطبات شیخ الہند (لاہور: عبداللہ اکادمی، س ن)، ۹-۴۰۔

Shahjahān Pūrī, Shaikh al-Hind Maūlānā Maḥmūd Hasan - Aik Siyāsi Mutāliah, 134-160; Manẓūr Ahmad (Compiler), Khutbāt Shaikh al-Hind (Lahore: Abdullāh Akadmi, ND), 9-40.

40۔ محمد میاں، علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، ۱۹۵/۱-۱۹۶۔

Muhammad Miyān, ‘Ulama-e- Haq kay Mujahidānah Karnāmay, 1/195-196.

41۔ اصغر حسین، حیات شیخ الہند، ۱۸۸-۱۹۰۔

Miyān Asghar, Ḥayāt Shaikh al-Hind, 188-190.

42۔ شاہ جہاں پوری، شیخ الہند مولانا محمود حسن-ایک سیاسی مطالعہ، ۴۰-۴۲۔

Shahjahān Pūrī, Shaikh al-Hind Maūlānā Maḥmūd Hasan - Aik Siyāsi Mutāliah, 40-42.